© rasailojaraid.com

قدرت اللہ شہاب

بہ سلسلہ یوم اقبال - ۹ نومبر سنہ ۱۹۹۲ء

اقبال کی یاد میں

یوں تو علامہ اقبالؒ کے کلام میں دینی، روحانی، مادّی، سیاسی، سماجی، اخلاقی اور آفاقی قدروں کے بے شمار پہلو ہیں لیکن آج کے ماحول میں اگر اقبال کی یاد خلوصِ نیت سے ہمیں ایک اور صرف ایک سوال کا جواب ڈھونڈنے کی طرف مائل کر دے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ یہ سوال یوں تو ابجد کی طرح بالکل سیدھا اور سادہ ہے لیکن ہمارے پیچ در پیچ معاشرے نے اس میں سمندروں جیسی اتھاہ گہرائی پیدا کر رکھی ہے۔ جواب دینے پر آئے تو ایک طفلِ مکتب بھی اس کا جواب بڑی آسانی سے بنوکِ زبان دے سکتا ہے لیکن سوچ میں پڑ جائے تو بڑے بڑے اہلِ علم و فن، اربابِ عقل و دانش، صاحبِ تجارت و ثقافت و سیاست و ذکاوت سالہا سال اس کے گرداب میں ڈبکیاں کھاتے رہتے ہیں۔ کم از کم پاکستان میں تو ہم چالیس برس سے اس گرداب میں ڈبکیاں ہی ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔ وہ سادگی و پُرکاری کا سوال جس کے سمندر کو علامہ اقبالؒ نے ایک لافانی مصرع کے کوزے میں بند کر دیا ہے، یہ ہے:

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

اگر قیامِ پاکستان کے وقت علامہ اقبالؒ بقیدِ حیات ہوتے تو شاید وہ بانگِ درا سے اپنے اس مصرع کو حذف کر دیتے کیونکہ مملکتِ خداداد میں اللہ کے فضل و کرم سے ہم سب کلمہ گو مسلمان ہیں، صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہم نے تو ایک عظیم مملکت کو کلمۂ طیبہ کی پکار پر حاصل کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب برا وقت آیا تو اگر کچھ ٹوٹا تو فقط پاکستان ٹوٹا اور ہمارے کلمہ گوئی پر ذرا بھی آنچ نہ آئی۔

پورے چالیس برس سے ہم امورِ سلطنت میں سازش، نظم و نسق میں ظلم و ستم، خدمت میں خیانت، سیاست میں رقابت، ثقافت میں کثافت، سچ میں جھوٹ، دودھ میں پانی، آٹے میں ریت، مرچوں میں پسی ہوئی اینٹوں، ہلدی میں گل زرد، چائے کی پتی میں سڑے ہوئے چمڑے کا برادہ، نمک میں کنکر، معاشیات میں طبقاتی کشمکش، قومی یکجہتی میں علاقائی عصبیت اور نصب العین میں ذاتی مصلحتوں کی ملاوٹ کرنے میں بڑی تن دہی سے مصروف ہیں لیکن اس سے نہ ہمارے ایمان میں لغزش آئی ہے نہ ہمارے مسلمان ہونے پر کوئی ضرب پڑی ہے۔ ہمارے یقینِ محکم کی مضبوط چٹان پر نہ شرابِ ناب کے پے در پے ریلوں نے کوئی چھینٹے اڑائے ہیں، نہ چنگ و رباب نے اسے غافل کیا ہے، نہ رقص و سرود نے اسے صراطِ مستقیم سے بھٹکایا ہے۔ ہم جوں کے توں مسلمان کے مسلمان ہی ہیں۔ نماز پڑھیں نہ پڑھیں نماز کی تلقین ضرور کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیں نہ دیں زکوٰۃ دینے کی نیت نیک رکھتے ہیں۔ دنیا میں کسی جگہ ایسے مسلمان نہیں بستے جو ہماری طرح صبح و شام، دن رات، ماہ بماہ، سال بسال اس قدر بلند آواز سے اسلام، اسلام، اسلام کا نعرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگاتے ہوں یہ تو ٹھہری ہماری مسلمانی' باقی رہا پاکستان' استحکام بھی ماشاء اللہ برا نہیں۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ ملک اکثر بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں' پھیلتے بھی رہتے ہیں' سکڑتے بھی رہتے ہیں۔ اب اگر پاکستان بھی پہلے سے نصف رہ گیا ہے تو اس جرم عظیم کو بھی ہم نے تاریخی عمل کا نام دینا شروع کر دیا ہے۔ اس سے نہ ہماری حب الوطنی پر کوئی حرف آتا ہے نہ ہماری غیرت چیلنج ہوتی ہے نہ ہمارے جذبہ ایمان کا کچھ بگڑتا ہے۔

ہمارے ان کارناموں کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ اگر ان سب کو ایک ایک کر کے گنوانے بیٹھیں تو قصہ بہت طولانی ہو جائے گا لیکن ابھی تو:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

اگر ہمارے ماضی کے کارناموں کا سلسلہ لامتناہی ہے تو ہمارے مستقبل کے عزائم' دعووں اور منصوبوں کی لسٹ بھی کچھ کم طویل نہیں۔ ان سب پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر بے اختیار علامہ اقبالؒ کا یہ ارشاد یاد آتا ہے:

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

آج کے پاکستان میں ہماری سب سے بڑی ضرورت اپنے آپ کو بدلنے کی' اپنے چار سُو ماحول کو بدلنے کی اور اپنی آرزوئیں بدلنے کی ہے۔ افراد میں ذاتی طور پر اس تبدیلی کے بغیر نہ جماعتوں میں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے' نہ قوم میں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے نہ ماحول میں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے۔

انسان کے لئے اپنے انفرادی وجود میں تبدیلی پیدا کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ سوئچ دبا کر کھٹ سے بجلی کا بلب روشن کرنا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ کرنٹ آ رہی ہو۔ اس کرنٹ کو پیدا کرنے والی مشین ہر اچھے اور برے' نیم اچھے اور نیم برے انسان کے اپنے سینے میں لگی ہوئی ہے۔ وہ اس کا دل ہے اگر یہ کمپیوٹر ایک رخ پر چلے تو انسان احسن التقویم کا درجہ پاتا ہے۔ دوسرے رخ پر چلے تو وہ اسفل السافلین بن جاتا ہے۔ اس عجیب و غریب مشین کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لیے ہمیں دو چیزیں عنایت ہوئی ہیں ایک ملا دوسرے قرآن حکیم۔

ایک بار ایک لاابالی قسم کے آزاد منش نوجوان طالب علم نے علامہ اقبالؒ سے کہا کہ نماز پڑھنا فرض ضرور ہے لیکن اکثر اوقات نماز میں نہ حضوری حاصل ہوتی ہے۔ نہ خضوع و خشوع میسّر آتا ہے ایسی بے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے سرور نماز بار بار پڑھنے سے کیافائدہ ؟۔

علامہ اقبالؒ نے پوچھا' کیا تم کبھی کسی گانے کی محفل میں شریک ہوئے ہو؟

نوجوان نے تسلیم کیا کہ وہ کئی بار رقص و سرود کی محفلوں میں بیٹھ چکا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ گانا شروع ہونے سے پہلے سازندے بڑی دیر تک ٹوں ٹاں کر کے ساز ملاتے رہتے ہیں۔ کبھی سارنگی والا تار ڈھیلے کرتا یا کستا ہے' کبھی طبلے کو آزماتا ہے۔ شائقین کیلئے یہ مرحلہ بڑا بے کیف اور صبر آزما ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بغیر موسیقی کا تال اور سُر ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ نماز بھی ایسی ہی ڈرل ہے۔ اس امید پر کہ شاید کبھی دل کا سُر کسی سرمدی تان کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ یوں بھی فرض تو صرف نماز کا پڑھنا ہے' دل لگنا فرض نہیں۔

اسی طرح ایک بار علوم مشرقی کے ایک غیر ملکی عالم نے علامہ اقبالؒ سے سوال کیا کہ آپ واقعی یہ مانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم ایک تخلیقی وجدان کے طور پر ظہور میں نہیں آیا تھا' بلکہ اس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا؟

علامہ نے جواب دیا' میرا پختہ ایمان ہے کہ قرآن حرفاً حرفاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔

سوال کرنے والے نے اس یقین کے متعلق کوئی دلیل مانگی تو علامہ اقبالؒ نے جواب دیا' کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو بڑی عظیم ذات ہے۔ میں ایک گناہ گار انسان اور شاعر ہوں۔ لیکن کبھی کبھی تو مجھے بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے اشعار کا ایک ایک لفظ میرے ذہن پر یوں اتر رہا ہے جیسے ٹین کی چھت پر بارش کے قطرے ٹپ ٹپ گرتے ہیں۔

یہ بھی ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہدایت و حکمت کی ایسی عظیم الشان کتاب پڑھنے اور نماز کے ذریعہ علم و عرفان کی سیڑھیاں چڑھنے پر ہمیں پورا اختیار اور آزادی ہے۔ اس کیلئے نہ تو ہمیں کسی کی خوشامد کرنا پڑتی ہے' درخواست دینا پڑتی ہے نہ کوئی پرمٹ حاصل کرنا پڑتا ہے' نہ کسی افسر کی اجازت مانگنی پڑتی ہے' نہ کسی پیر فقیر کے حکم کا انتظار کرنا پڑتا ہے' نہ ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے' نہ فیس ادا کرتے ہیں' نہ چلہ کاٹتے ہیں۔ اگر ان نعمتوں کی ارزانی کا احساس عام ہو جائے' تو جس طرح کے کیو اب سینما گھروں کے باہر نظر آتے ہیں' اس سے بھی زیادہ لمبی قطاریں مسجدوں کے سامنے لگنا شروع ہو جائیں گی۔ اگر کبھی پاکستان میں ایسا ہوا' تو اس ارضِ پاک میں صرف تیل ہی نہیں بلکہ قناعت کے دودھ اور فضیلت و طمانیت کے شہد کی نہریں بھی بہنے لگیں گی۔ کیونکہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا وعدہ ہے کہ :

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقیہ از صفحہ ۲۲

"اسلام نے حکمرانوں کے ظلم کے مقابلہ میں دو طرح کے طرز عمل کا حکم دیا ہے کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں"۔ ایک ظلم اجنبی قبضہ و تسلط کا ہے۔ ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے پہلے کیلئے اسلام کا حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ کیا جائے دوسرے کیلئے حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ تو نہ کیا جائے لیکن امر بالمعروف اور "اعلان حق" جس قدر بھی امکان میں ہو، ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا۔ دوسری صورت میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں جھیلنی پڑیں گی..... گزشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دونوں طرح کی قربانیاں بھی کیں۔ اجنبیوں کے مقابلے میں سرفروشی بھی کی اور اپنوں کے مقابلے میں صبر و استقامت بھی دکھلائی"

اپنے تاریخی بیان کے آخری حصے میں مولانا نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا حالانکہ اس سے قبل وہ واشگاف الفاظ میں کہہ چکے تھے کہ

"تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہوئی ہیں دنیا کے مقدس بانیان مذہب سے لے کر سائنس کے محققین و مکتشف تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں ہے جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو"۔

مسٹر مجسٹریٹ! "اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصہ میں مجرموں کا یہ کٹہرا آرہا ہے تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کیلئے وہ کرسی اتنی ہی ضروری ہے جس قدر یہ کٹہرا ... آؤ اس یادگار اور افسانہ بنانے والے کام کو جلد ختم کر دیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے وقت اس کا جج ہے۔ وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا"

"والحمد للہ اولاً و آخراً" (قول فیصل)

امیر شریعتؒ اور 124 - الف

سر سکندر حیات خاں مرحوم وزیر اعظم پنجاب نے حضرت شاہ صاحبؒ کی حق گوئی اور مقبول عام شخصیت سے مرعوب ہو کر حضرت شاہ صاحب کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اپنے مخصوص خوشامدی ضلعی پولیس کے سربراہوں کو ہدایت کی کہ جب شاہ صاحب ان کے اضلاع میں تقریر کیلئے آئیں تو چالاک اور ہوشیار رپورٹر تقریر نوٹ کرتے وقت جگہ خالی چھوڑتا جائے تاکہ بعد میں حسب ضرورت عبارت درج کر لی جائے۔ جس میں قتل، عمد، کھلی بغاوت اور فساد و خونریزی کی ترغیب ثابت ہو۔ جس کی سزا پھانسی "عبور دریائے شور" جائیداد کی ضبطی وغیرہ ہو سکے۔ شاہ صاحب موضع پیر عادی ضلع گجرات تشریف لائے تو عوام کے اصرار پر لالہ موسیٰ میں ایک اصلاحی تقریر فرمائی۔ رپورٹر نے حسب الحکم جگہ چھوڑ کر تقریر کے نوٹ لئے۔ بعد میں پبلک پراسیکیوٹر کی ہدایت پر حسب خواہش فقرے درج کئے اور حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کا کیس شاہ صاحب کے خلاف درج کر دیا گیا اور شاہ صاحب پس دیوار زنداں چلے گئے سب جیل سے دوسری جیل جاتے ہوئے راستے میں لدھارام رپورٹر نے سلام عرض کیا۔ شیخ عبدالملک نے کہا یہ لدھارام آپ کی تقریر نوٹ کرنے والا رپورٹر ہے۔ شاہ صاحب نے لدھارام کی طرف سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا

"لدھارام ایک اور عدالت بھی قائم ہو گی جس میں سچ جھوٹ جھوٹ ہو کر سامنے آئے گا وہ خدا کی عدالت ہو گی جس میں اس کی پیشی کا بھی خیال کرنا چاہئے"۔

یہ کلمات کہہ کر آپ جیل چلے گئے لدھارام نے کہا یہ الفاظ بجلی بن کر مجھ پر گرے مجھے تاب نہ رہی، کمپنی باغ جا کر رویا جب طبیعت ہلکی ہوئی ..... سوچ بچار کے بعد عہد کیا کہ یہ بندوق جو میرے ہاتھ میں دے کر ایک مخلص قومی بے گناہ لیڈر کو قتل کرایا جا رہا ہے میں اپنے سر نہ لوں اور پیشی پر حالات سے صحیح طور پر عدالت کو مطلع کر دوں لدھارام نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ..... جو عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کی طرف سے جناب میاں عبدالعزیز خانوادہ، دیوان چمن لعل وکالت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ لدھارام نے ہائیکورٹ کے بنچ جو جسٹس سر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لعل پر مشتمل تھا کے سامنے صحیح حالات بتا دیئے تو انگریزی ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ سکندر حیات پریشان ہو گئے ..... مقدمہ کی سماعت کے دوران رپورٹنگ تقریر کی دھجیاں اڑ گئیں اور اس مقدمہ میں حکومت انگلینڈ کے مذموم عزائم کے وہ راز واشگاف ہوئے کہ حکومت

بقیہ صفحہ ۴۳ پر

© rasailojaraid.com